حصہ نظم

(امتحانی نقطہ نظر سے)

نظم کے اشعار کی تشریح کے متعلق ضروری ہدایات

نظم کی تشریح انشائی حصے کا پہلا سوال ہے۔ دس نمبرات کے اس سوال میں نمبروں کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

نظم کا عنوان:	1 نمبر
شاعر کا نام:	1 نمبر
تشریح:	8 نمبر

امتحانی پرچے میں حصہ نظم سے دو اشعار ایک ہی نظم سے دیے جائیں گے۔ اگر تمام نظمیں دو تین بار اچھی طرح پڑھ لی گئی ہوں تو نظم کا نام فوراً ذہن میں آ جائے گا۔ فہرست مندرجات سے شعرا کے نام یاد کر لینے چاہییں۔ ان دو نمبروں کے لیے ضروری ہے کہ نظم کا عنوان مکمل اور صحیح لکھا جائے۔ شاعر کے نام کا املا بھی درست ہو۔ اصل نام لکھنے کی شکل میں مکمل لکھنا چاہیے تاہم تخلص لکھ دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ اچھی رفتار سے لکھنے والے طلبا یہ چیزیں اضافی بھی لکھ سکتے ہیں۔ اصل کتاب کا نام، صنف، ہیئت وغیرہ۔

یاد رہے کہ منظومات کے تمام اشعار باہم مربوط ہوتے ہیں اور باعتبار مفہوم ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس ضمن میں بہتر ہے کہ تشریح طلب دونوں اشعار کی تشریح اکٹھی کی جائے۔ اس ضمن میں حسب ذیل ہدایات سے طلبا استفادہ کر سکتے ہیں۔

1۔ سب سے پہلے سوال نمبر لکھا جائے۔

2۔ جوابی کاپی پر تشریح طلب اشعار لکھے جائیں۔

3۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام لکھنا نہ بھولیں۔

4۔ تشریح سے قبل تین چار سطور میں اشعار کا مفہوم تحریر کریں۔ اس سے شعر کے متعلق آپ کی سوجھ بوجھ کا اندازہ ہو جائے گا۔

5۔ تشریح سے قبل مشکل الفاظ اور تراکیب کے معانی لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

6۔ اس کے بعد تشریح کے عنوان کے تحت ہر شعر کی تشریح صفحے سے ڈیڑھ صفحے تک کی جائے۔ تشریح میں کسی بھی شاعر کے ملتے جلتے مفہوم والے اشعار کے علاوہ اقوال، آیات، احادیث، کہاوتیں، ضرب الامثال وغیرہ کا موقع محل کے مطابق استعمال تشریح کو مؤثر اور مدلل بنانے کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اردو کے علاوہ دوسری زبان کے حوالے کی صورت میں چھوٹی بریکٹ میں اُردو ترجمہ بھی ضروری ہے۔ حوالے کو مفہوم سے جوڑ کر بیان کرنا چاہیے۔ حوالہ جات تشریح میں مناسب موقع پر استعمال نہ ہوتے ہوں تو آخر میں لکھ دیے جائیں۔ مزید برآں کہ حوالے غلط نہ ہوں۔ غلط لکھنے سے نہ لکھنا بہتر ہے۔

حصہ نظم کا دوسرا سوال۔ خلاصہ

نظم کا خلاصہ نظم کے اہم نکات کا مختصراً بیان ہوتا ہے۔ چناں چہ نظم کے خلاصے میں تفصیل اور طوالت سے گریز کرنا چاہیے۔ ایک معیاری خلاصہ سات سے دس سطور پر مشتمل ہوتا ہے۔

حصہ نظم

1۔ حمد

امیر مینائی (۱۸۲۸ء، ۱۹۰۰ء)

تعارف: امیر احمد نام اور امیر تخلص کرتے تھے۔ ۲۳ فروری ۱۸۲۸ء کو لکھنو میں مولوی کرم محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ سید مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ امیر مینائی روایت کی تکرار کرتے ہیں لیکن اس کا ایسا نمونہ پیش کرتے ہیں کہ اسے صرف روایت کی تکرار نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سی یادگار چھوڑیں، لیکن ان میں سے "مثنوی کبوتر نامہ" "مخمس نعتیہ" "مضامینِ دل آشوب" "محامدِ خاتم النبین" "مراۃ الغیب" "گوہر انتخاب" "مثنوی ابر کرم" "صبح ازل" "شام ابد" "قصائد امیر" "انتخاب یادگار" وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور شاہ یوسف اور شاہ شریف کی درگاہ میں دفن ہوئے۔

خلاصہ:

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس جیسے مرتبے کا مالک نہیں ہے۔ وہ ذات اگرچہ لاکھوں پردوں میں پوشیدہ ہے لیکن دیکھنے والی آنکھ اُسے پہچان لیتی ہے۔ جلوت ہو یا خلوت وہ ہر جگہ موجود ہے۔ کائنات کی تمام چیزوں کا آقا و مولا اللہ ہی ہے۔ اس کی ذات کو کسی خاص جگہ میں پابند سمجھنا موزوں نہیں بلکہ وہ ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ رنگ برنگے پھولوں اور اُن کی خوشبوؤں سے اُسی کی ذات عیاں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لامحدود صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ بندوں کا سب سے بڑا ہمدرد اور سچا رازدار ہے۔

اشعار کی تشریح

(1) دوسرا کون ہے، جہاں تو ہے کون جانے تجھے، کہاں تو ہے

(بہاولپور بورڈ، ملتان بورڈ 12,2010ء گوجرانوالہ 12ء، فنی بورڈ 13ء)

حل لغت: جہاں: جس جگہ کہاں: کس جگہ، استفہامیہ لفظ ہے

مفہوم: اے اللہ! جس مقام پر تو فائز ہے وہاں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے؟

تشریح:

آسمانِ سخن کا درخشندہ ستارا جسے اہل سخن بلبلِ مدینہ طیبہ کے لقب سے جانتے ہیں۔ وہ خالق ارض سموات کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے بارگاہِ قدسیہ میں عرض کرتے ہیں کہ کائنات میں جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے یکتا ہے۔ ذات کے حوالے سے بھی یکتا ہے کہ اُس کی ذات کی مثل کوئی اور ذات نہیں کیوں کہ وہ تو جسم سے پاک ہے اور کل کائنات سے عظیم تر ہے۔ بحوالہ صفات بھی وہ یکتا ہے۔ اس جیسی قوت سمع، ارادہ اور بصر کسی اور میں نہیں۔ اس کی یہ صفات ذاتی اور لامحدود ہیں۔ آگ میں جلانے کی صفت اللہ نے رکھی ہے جب اللہ چاہتا ہے تو جلاتی ہے جب نہیں چاہتا نہیں جلاتی۔ حضرت ابراہیم کو نہیں جلایا بلکہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ وہ چالیس دن جو آگ میں گزرے بہترین دن تھے۔ اسی طرح پانی میں ڈبونے کی صفت اللہ نے رکھی ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ڈبونے کی صفت سلب کر لے تو پانی ڈبو نہیں سکتا۔ یہ بات اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون بادشاہ کے دور میں دکھائی۔ حضرت موسیٰ کا لشکر پانی کے بنائے ہوئے راستوں میں سے پار

بیوا اور فرعون کے لشکر کو پانی نے ڈبو دیا۔ اختیارات کے حوالے سے بھی اللہ تعالیٰ یکتا و بے مثل ہے۔ تمام کائنات اُس کے اک دو حرفی لفظ ''کن'' کہنے سے درہم برہم ہوسکتی ہے۔ اُس کے اختیارات لامحدود ہیں۔ الغرض کوئی اُس جیسا کسی بھی اعتبار سے نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لیس کمثلہ شی کوئی چیز اُس کی مثل نہیں

کوئی شے اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **''لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا''**

''اگر کائنات میں خدائے واحد کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو اس کا نظام بگڑ کر رہ جاتا''

دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ کسی کو معلوم نہیں کہ تو کہاں موجود ہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کائنات میں ہر جگہ موجود ہے، قلبِ مومن میں موجود ہے اور شہ رگِ انسانی سے بھی زیادہ قریب ہے۔ لیکن کسی مخصوص مقام کی نشاندہی کرنا ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقام کی نشاندہی کی جائے۔ گویا:

ذرے ذرے سے عیاں ہونے کے بعد — آج تک رازِ حقیقت راز ہے

اللہ تعالیٰ جس جگہ پر ہے، جس مقام پر ہے، جس عالم میں ہے۔ چوں کہ وہاں کوئی اور نہیں ہے، اس لیے نہ تو اُس کے مقام کے تعین کا احاطہ کیا جا سکتا ہے، نہ اُس کی کیفیت کے حقائق سے آشنا ہوا جا سکتا ہے اور نہ ہی اُس کی ذات کی نوعیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مزید برآں انسانی عقل محدود، بصارت محدود، سمع محدود، تخیل محدود اور ہمہ شے محدود جب کہ اللہ تعالیٰ خود بھی لامحدود اور اُس کی صفات بھی لامحدود۔ تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہو کہ ایک محدود چیز میں لامحدود شے سما سکے۔ جس طرح کسی چشمے میں سمندر نہیں سما سکتا اسی طرح انسانی عقل بھی ادراکِ الٰہی سے عاری ہے۔ بقولِ اکبرالہ آبادی:

عقل میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا — جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک کرنا ہو تو لازم ہے کہ فطرت کا گہرا مشاہدہ کیا جائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیا میں اپنی نشانیاں عطا کی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ان فی ذلک لایات لاولی الالباب

ترجمہ: ''کہ اہلِ عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں''

(2) لاکھ پردوں میں ہے تو بے پردہ — سو نشانوں پہ، بے نشاں تو ہے

(ملتان بورڈ 2010ء لاہور بورڈ 2006ء، گوجرانوالہ بورڈ 2006ء، فنی بورڈ 13ء)

حل لغت: لاکھ پردوں: بے شمار پردوں میں سو نشانیوں پہ: سینکڑوں نشانیوں کے باوجود بے نشاں: جس کا نشان نہ ملے

مفہوم: اے اللہ! تیری ذات لاکھ پردوں میں چھپی ہونے کے باوجود نظر آتی ہے۔ بے شک تیرے وجود کے اقرار میں سینکڑوں نشانیاں موجود ہیں۔

تشریح:

امیر مینائی کہتے ہیں کہ اے اللہ انسانی آنکھ اور تیری ذات کے درمیان بے شک لاکھوں پردے حائل ہیں بے شک انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ تیرا دیدار اپنی مادی آنکھوں سے کر سکے۔ کیوں کہ اے اللہ تو تو مادی وجود سے پاک ہے لیکن ان لاکھوں پردوں کے باوجود بھی تجھے دیدۂ بینا پہچان لیتی ہے۔ اے اللہ تو اپنی غیر معمولی قدرت کے سبب کائنات میں مکمل طور پر آشکار ہے۔ زمین کے اک اک مقام پر تیرا ہی جلوہ کارفرما ہے۔

لیکن کائنات کی ہر ہر شے خدائے واحد القہار کے وجود پر پکار پکار کر دلالت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

کیوں کہ تخلیق اپنے خالق کا اظہار ہوتی ہے۔ کسی تصویر کو دیکھ کر فوراً اُس کے مصور کی کاریگری ذہن میں آتی ہے۔ کسی مکان کو دیکھ کر فوراً معمار کا تصور ذہن میں آتا ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ کائنات کو دیکھ کر بھی اس کے خالق کی طرف ذہن مائل ہوتا ہے کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز کسی پیدا کرنے والے کے بغیر تخلیق ہو جائے یا خود بخود وجود حاصل کر لے۔ آج اجزائے آدم سے آٹھ ہزار سال بعد اٹھارویں صدی میں لوئی پا سچر نے تجرباتی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ (اے بائیو جینیسس) مکمل طور پر باطل ہے اور یہ نظریہ رد ہو گیا ہے کہ انسان بغیر خالق کے تخلیق ہوا۔ اس لیے کائنات کی اِک اِک شے خدا کے وجود کا ثبوت ہے۔ بقول شاعر:

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا ۔۔۔ تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ تیری ذات صد ہا نشانیوں سے عیاں ہے۔ موسموں کا ادل بدل، دن اور رات کے آنے جانے میں تنظیم، ہر چیز میں تیری ذات کا نشان ہے۔ آج سائنس دان اور فلسفی سوچ سوچ کر حیران ہو رہے ہیں کہ ہر چیز میں فورس آف ایٹریکشن / گریویٹی / کشش ثقل یا کھینچنے کی صلاحیت کیوں پیدا ہوتی ہے؟ الغرض چاند سورج، ہوا آندھی و طوفان، زلزلہ و بھونچال، شہابیوں کی بارش اور برسات آب میں اہل عقل کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کو نورِ معرفت کے ذریعے پہچان سکتے ہیں۔

دلوں کو معرفت کے نور سے تو نے کیا روشن ۔۔۔ دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے

شاعر مزید کہتا ہے کہ اے اللہ ان ہزار ہا نشانیوں کے باوجود تو بے نشان ہے۔ یعنی اے اللہ کھلی آنکھوں سے وجود دنیا میں تیرا دیدار ناممکن ہے۔ بقول اقبال:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ۔۔۔ ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

شاعر نے "بے نشاں" اس لیے کہا ہے کیوں کہ انسانی فطرت ہے کہ وہ آنکھوں دیکھی شے پر زیادہ یقین کامل رکھتا ہے۔ شاید اسی لیے بڑے بڑے صوفیا اور انبیا نے اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کیا تھا اور یہی آرزو اقبال نے اپنے شعر میں یوں لکھی ہے۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں ۔۔۔ کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

(3) تو ہے خلوت میں، تو ہے جلوت میں ۔۔۔ کہیں پنہاں، کہیں عیاں تو ہے

(بہاول پور، ملتان، ڈیرہ غازی خان 08،09،10 لاہور 07، گوجرانوالہ 07، فنی بورڈ 13)

حل لغت: خلوت: تنہائی، علیحدگی ۔ جلوت: مجمع محفل ۔ پنہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا ۔ عیاں: ظاہر، نمایاں

مفہوم: اے اللہ تو تنہائی اور مجمع ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن کہیں تیری ذات چھپی ہوئی ہے اور کہیں واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

تشریح:

زیرِ تشریح شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ کی پُراسرار ذات کے متعلق اظہار کر رہا ہے کہ اے اللہ تیری ذات کامل کا ادراک ذہن انسانی سے بالاتر ہے۔ اے اللہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ تنہائی ہو کہ محفل، خلوت ہو کہ جلوت، گوشہ نشینی ہو یا مجمع، اے اللہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

ترجمہ۔ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

سورۃ المجادلۃ، آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

"جہاں کہیں تین اشخاص کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ (اللہ) موجود ہے۔ پانچ کی ہو تو چھٹا وہ موجود ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ کی، مگر یہ کہ وہ اُن کے ساتھ ہے۔"

یعنی کوئی جگہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے خالی نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حکیم لقمان کو اُن کے آقا نے جن کی وہ بکریاں

چرایا کرتے تھے، ایک مرغ دیا اور کہا اسے ایسی جگہ لے جا کر ذبح کرو جہاں کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ آپ شام کو ویسے ہی واپس آ گئے اور کہنے لگے مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ نہ رہا ہو۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی بصیرت لامحدود کائنات کے اک اک ذرے کو ایسے دیکھتی ہے جیسے انسان اپنی ہتھیلی پر پڑی ہوئی اشیاء کو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو عرشِ اعظم پر جلوہ فرما ہے، لیکن اس کی صفات دنیا کی ہر شے میں جلوہ فرما ہے۔ بقول شاعر:

منظر کی حد سے لے کر پسِ منظر تک دیکھ لیا
ہر محور کا مرکز تو ہے حدِ نظر تک دیکھ لیا

چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نہ اُسے مادی حالت میں دیکھ سکتا ہے اس لیے وہ پنہاں ذات ہے۔ مگر کائنات میں ہم اللہ عزوجل کو صفات کے اعتبار سے پا سکتے ہیں۔ معرفت اور صفات کے لحاظ سے وہ ذاتِ الٰہی عیاں ہے۔ اس ذات وصفات کے مسئلے کو دیگر مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً پھول کی مثال لے لیجیے۔ پھولوں کی ٹوکری اگر کمرے میں پڑی ہو تو پھولوں کا وجود ٹوکری تک محدود ہو گا۔ لیکن یہی پھول بااعتبار صفت پورے کمرے میں ہوں گے کیوں کہ پورے کمرے میں بھینی بھینی خوشبو ہوگی، جو پھولوں کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ سورج کی مثال بھی بالکل ایسے ہی ہے وجود ایک جگہ محدود مگر صفت نوری پوری کائنات میں ہے۔ اسی لحاظ سے ہم خدا کی صفات سے بھی اُس کا فہم و ادراک کر سکتے ہیں۔ پھولوں کے حُسن و جمال اور خوش بو میں خدا کی ذات رچی بسی ہے۔ بقول شاعر:

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

اس بھری کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ بقول شاعر:

ہر ذرہ ہے اس بات کا شاہد کہ خدا ہے
حیراں ہے مگر عقل، کہ کیسا ہے وہ؟ کیا ہے

(4) نہیں تیرے سوا یہاں کوئی میزباں تو ہے، میہماں تو ہے

(ملتان، ڈیرہ غازی خان 08,09 لاہور 2011ء)

حل لغت: میزباں: صاحب خانہ — مہماں: گھر آنے والا، مدعو کیا گیا شخص

مفہوم: اے اللہ کائنات میں تیرے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو میزبان بھی ہے اور مہماں بھی۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ کائنات میں تیرے سوا کوئی ذات موجود نہیں۔ یہ شعر امیر مینائی نے وحدۃ الوجود کے نظریے کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ یہ نظریہ ایک صوفیانہ اصطلاح ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے یہ نظریہ پیش کیا۔ اُن کے بقول خدا کل ہے اور کائنات جز ہے۔ وجود ایک ہی ہے۔ کائنات کا اک اک ذرہ خدا ہی کا پرتو ہے۔ عالم ہی خدا ہے۔ یہ تجلی ہے، جس میں وحدت نے اپنے تئیں کثرت میں نمودار کیا ہے۔ وحدۃ الوجود والوں کا نعرہ ہے کہ ''ہمہ اوست'' (سب کچھ خدا ہے) اس عقیدے کے مخالف حضرت شیخ مجدد الف ثانی شیخ سرہندؒ نے نظریہ وحدت الشہود پیش کیا۔ انھوں نے کہا ''ہمہ از اوست'' (سب کچھ خدا سے ہے)۔ حضرت شیخ مجددؒ فرماتے ہیں کہ ''عالم تجلی صفات نہیں بلکہ ظل صفات ہے۔ اگر تجلی ہوتا تو وہ عین صفات ہوتا۔ کیوں کہ خدائی صفات کامل ہیں جب کہ عالمی صفات ناقص ہیں''۔ بقول شاعر:

سمجھ میں آ نہیں سکتا ٹھکانا ہے کہاں تیرا
سمجھتے ہیں جہاں والے ٹھکانا ہر جگہ تیرا

یاد رہے کہ ہم عقیدہ وحدۃ الوجود پر بھی تنقید نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ بڑے بڑے عظیم صوفیا (حضرت سچل سرمست بابا بلھے شاہ، حضرت سلطان باہوؒ، خواجہ غلام فریدؒ وغیرہ) اس کے روح رواں گزرے ہیں۔ منصور حلاج اس سلسلے کا بڑا بزرگ گزرا ہے۔ اُس نے انا الحق (میں خدا ہوں) کا نعرہ لگایا۔ خلیفہ مقتدر عباسی نے اُسے پھانسی پر چڑھا دیا۔ تاہم وہ ہنستا رہا اور بعد از موت اُس کے

انگ انگ سے آواز آتی رہی۔ انا الحق انا الحق (میں خدا ہوں، میں خدا ہوں)۔ ہاں ویسے وحدۃ الشہود زیادہ محتاط ہے۔ وحدۃ الوجود عقیدے کے حامی اپنے عقیدے کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیثِ قدسی پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف مخلقت الخلق"

میں مخفی خزانہ تھا چناں چہ میں نے چاہا کہ مجھے پہچانیں تو میں نے مخلوقات کو پیدا کیا۔

دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ تو ہی میزبان ہے تو ہی مہمان ہے۔ یعنی اے اللہ اس کائنات کا مالک اور صاحب خانہ تو ہی تو ہے۔ تو ہی سب کو کھلاتا ہے۔ گویا مہمان و میزبان دونوں خدائی صفات ہیں۔ میزبان گھر کا مالک ہوتا ہے اور گھر میں ہی قیام پذیر رہتا ہے جب کہ مہمان کسی گھر میں عارضی طور پر آتا ہے۔ یہ مصرع بھی وحدۃ الوجود کا شاہ کار ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ! انسان بھی تیرا ہی پرتو ہے۔ انسان میں بھی تیری ہی ذات ہے۔ لہٰذا مہمان، انسان ہے اور انسان تو ہے۔ اس لیے خدا میزبان بھی تو ہے اور مہمان بھی تو۔ بقول شاعر:

جو خانہ ہستی میں ہے انسان کے لیے ہے　　آراستہ یہ گھر اسی مہمان کے لیے ہے

(5)　رنگ تیرا، چمن میں بو تیری　　خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

(ملتان 08,09 لاہور 06,07,11)

حل لغت: باغباں: مالی　　خوب دیکھا: غور سے دیکھا

مفہوم: اے اللہ یہ چمنِ عالم تیرے ہی رنگ و بو کا عکاس ہے اور ہم نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تو ہی اس کا میرِ گلشن ہے۔

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ باغ کا رنگ تیرے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ باغ میں موجود پودوں، پھولوں، گلوں اور پھلوں میں تیرا ہی رنگ سمایا ہوا ہے۔ زیرِ تشریح شعر میں شاعر نے چمن سے مراد کائنات لی ہے۔ گویا کائنات کی ہر چیز اے اللہ تیرے ہونے کا ثبوت ہے۔ باغوں میں پھیلی ہوئی بھینی بھینی پھولوں کی خوش بو، رنگ رنگ کے دل موہ لینے والے پھول بھی اے اللہ تیری ہی قدرت کے عکاس ہیں۔

گلوں میں رنگ، ضیا بن کے چاند تاروں میں　　وہ پردہ دار کہاں جلوہ گر نہیں ہوتا

شاعر مزید کہتا ہے کہ اے اللہ جب میں نے ان غنچہ زاروں اور نخلوں کے رنگوں پر نظرِ غائر ڈالی اور غور و خوض کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اے اللہ عزوجل اس کائنات کا پالنے والا تو ہی ہے۔ کائنات کی ہر شے کو تیرے ہی دم سے ثبات ہے۔ کائنات کا یہ نظم و نسق تیرے ہی منتظم ہونے کی دلیل ہے۔ جس طرح مالی باغ کی دیکھ بھال کرتا ہے، اسے وقت پر پانی دیتا ہے اور کانٹ چھانٹ کرتا ہے، بالکل اسی طرح اے اللہ تو بھی اس کائنات کا محافظ اور رازق ہے اور کائنات کی ہر چیز کو منظم رکھا ہوا ہے۔ سورج اور چاند وقت پر طلوع و غروب ہوتے ہیں اور ستارے سیارے، سورج اور چاند اپنے اپنے مدار میں رہتے ہیں۔ فورس آف گریویٹی کے باوجود ایک دوسرے پر نہیں گرتے اور نہ ہی اپنا مدار تبدیل کرتے ہیں۔ آسمان کا بغیر ستونوں کے کھڑے ہونا، بارش، بادل، برف بجلی، ہوا، سمندر، پہاڑ ہر چیز اے اللہ تیری ہی باغ بانی کے سہارے پر احسن طریقے سے چل رہے ہیں۔ چمن میں پھولوں کے رنگ دیکھ کر اُن کی خوش بو سونگھ کر اس کا خالق یاد آتا ہے اور اس کے باغ بان کا تصور پیدا ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ الغرض ہر جگہ خدا کی ذات موجود ہے۔ بقول شاعر:

منظر کی حد سے لے کر پسِ منظر تک دیکھ لیا　　ہر محور کا مرکز تو ہے حدِ نظر تک دیکھ لیا

(6)　محرمِ راز تو بہت ہیں امیر　　جس کو کہتے ہیں راز داں، تو ہے

حل لغت: محرم: واقف، آگاہ، بھیدی　　راز داں: واقف، آگاہ، بھیدی، ہم راز

مفہوم: اے امیر! میرے ہم راز تو بہت ہیں لیکن حقیقی رازداں اللہ ہی کی ذات ہے۔

تشریح:

زیر تشریح شعر میں شاعر خود سے ہم کلام ہے اور کہتا ہے کہ میرے اسرار و رموز سے کئی لوگ واقف ہیں۔ میری پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کو تو بہت لوگ جانتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں میرے اصل رازوں کا رازداں صرف اللہ ہے کیوں کہ ایک تو اللہ تمام ظاہری و پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔ خود اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

واللہ علیم بذات الصدور — اور اللہ سینوں کی باتوں سے خوب آگاہ ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے: ان اللہ علیم خبیر — بیشک اللہ جانتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔

دوسرا امر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی معنوں میں پردہ داری کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ ایک مرتبہ اپنی قوم کو کھلے میدان میں لے گئے، تاکہ بارش کے لیے دعا کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس مجمع میں ایک گناہ گار ہے اُسے باہر نکال دو اس کی وجہ سے بارش نہیں ہو رہی۔ حضرت موسیٰ نے قوم کو بتایا کہ یہ ماجرا ہے۔ اُس گناہ گار نے دل میں کہا کہ "اے اللہ آج مجھے بھری قوم کے سامنے رسوا نہ کر"۔ فوراً بارش شروع ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ پہلے جس کے سبب میں بارش نازل نہ کر رہا تھا اب اس کے سبب ہی بھیج رہا ہوں۔ بقول مظفر وارثی:

نظر بھی رکھے، سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے، نیتیں بھی
جو خانہ لاشعور میں بھی، جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے

عقلی طور پر بھی دیکھا جائے کہ انسان خود اپنے دل میں ہی اپنا راز پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ تو وہ دوسروں کے بھید کیوں کر اپنے دل میں مخفی رکھ سکتا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کامل پردہ پوشی پر قادر ہے۔ بقول جاوید انجم لائل پوری:

حقیقی رازداں سب کا مرے مولا ہے بس تُو ہی
کہ رازوں کی یہ ستاری تجھی کو زیب دیتی ہے

مشقی سوالات

سوال 1: حمد کے متن کو مدنظر رکھتے ہوئے نیچے دیے گئے ہر سوال کے درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

(i) ایسی نظم جس میں اللہ کی تعریف کی جائے، کہلاتی ہے۔

(الف) نعت (ب) حمد ✓ (ج) منقبت (د) قصیدہ

سوال 2: یہ "حمد" کس شاعر کی تخلیق ہے؟

(الف) ظفر علی خاں (ب) بہزاد لکھنوی (ج) ماہر القادری (د) امیر مینائی ✓

سوال 3: حمد میں شامل مندرجہ ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

خلوت : اسلم کے جرم کی بنا پر اُسے جیل کی خلوت کا مکیں بنا دیا گیا۔
جلوت : دوستوں کی جلوت میں بھی ندیم اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔
نشاں : نظریہ وحدۃ الشہود کے مطابق کائنات کی ہر شے خدا کا نشاں ہے۔
مہماں : اصغر میرا مہمان ہے۔
چمن : بہار میں چمن کا آنگن پھولوں سے بھر جاتا ہے۔
بو : صحن گلاب کی خوش گوار بو سے بھرا ہوا تھا۔
جلوہ : نظریہ وحدۃ الوجود کے مطابق کائنات کی ہر شے میں خدا کا جلوہ ہے۔

سوال 4: حمد کا خلاصہ لکھیے۔

سوال 5: مرکزی خیال ایک یا دو جملوں میں تحریر کیجیے۔

اللہ کی ذات عقل انسانی سے ماورا ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ پردہ پوش اور قادر مطلق خدا کے وجود پر کائنات کی ہر شے دلالت کرتی ہے۔